اُردو افسانہ نگاری میں بلوچ اہلِ علم کی خدمات

غلام قاسم مجاہد ملک*

ڈاکٹر محمد یوسف خشک**

Abstract:

The Baloch writers of Pakistan contributed a lot in the genre of Urdu short story. This article critically introduces such Baloch writers and their collections of Urdu short stories. Those Baloch writers who translated the foreign short stories or compiled collections, have also been critically appraised. The Baloch writers contributed 21 collections of Urdu Short stories so far, out of them 13 are self written, three partially written, three translated from Balochi, Brahoi and English literature, while two collections have been compiled. The prominent Baloch Urdu short story writers are: Prof. Anwar Ahmed Zai, Rafia Sarfraz Ahmadani, Tariq Baloch Sahrai, Abdul Rehman Ghaur, Muhammad Shafi Baloch, Mussarat Leghari, Maulana Noor Ahmed Khan Fareedi, and Prof. Yasmin Huma Gurmani. However Azra Hafeez ur Rehman Buzdar and Prof. Aziz Muhammad Bugti have also wrote short stories on a short scale. The fiction translators are: Afzal Murad and Prof. Dr. Shah Muhammad Marri. The short story collection Compilers are: Prof. Dr. Imtiaz Baloch and Prof. Nasim Akhtar Nasim Mastoi. The first Urdu short story Collection written by a Baloch writer is: "Islami Afsanay Vol. I", published by Maulana Noor Ahmed Khan Fareedi in 1952.

افسانہ نگاری بنی نوع انسان کی ادبی روایت ''کہانی'' کا تسلسل ہے۔ مغرب میں ''والٹر سکاٹ'' کو افسانہ۔(۱) ''ایڈگر ایلن پوؔ'' کی تصنیف:''Tales of the Grotesque and Arabesque 1836''

* پی ایچ ڈی سکالر شعبہ اُردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور سندھ

** صدر شعبہ اُردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور سندھ

اور ''ہاتھارن'' کے قصص: "Twice told Tales-1842'' ابتدائی افسانوی مجموعے شمار کیے جاتے ہیں(۲)۔ان کے بعد آسمان مغرب کی شفق پر افسانہ نگاروں کا ایک بسیط کہکشاں ضوفشاں نظر آتا ہے جن میں: تھامس ہارڈی، بالزک، پُشکن، چیکوف، چارلس ڈِکنز، ورجینیا وولف، جیمز جوائس، رُڈیارڈ کپلنگ، فِٹز جیرالڈ، فرانز کافکا، ہیمنگ وے، نکولائی گوگول، موپاساں، او ہنری قابل ذکر ہیں(۳)۔مغربی افسانہ نگاروں نے ادب میں: صنفِ ''افسانہ'' کا انقلاب برپا کیا تو اس کی چکا چوند سے مشرق میں افقِ اُردو ادب پر بھی افسانہ ماہتاب بن کر طلوع ہوا۔ اُردو افسانہ نگاروں میں: پریم چند، غلام عباس، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، قرۃ العین حیدر، منشا یاد، زاہدہ حنا، اشفاق احمد، عصمت چغتائی، علی سردار جعفری، ممتاز مفتی، شوکت تھانوی، قدرت اللہ شہاب، خدیجہ مستور، قدسیہ بانو مع دیگر، معتبر نام ہیں(۴)۔

نوعیتی اعتبار سے اُردو افسانہ بہ مثل گل ہائے رنگارنگ مختلف الجہت ہے جس کی نمو و پرداخت میں سرزمین پاکستان کی جملہ اکائیوں کے اہل قلم نے بساط بھر حصہ لیا۔ تاریخی، رومانی، ترقی پسندانہ، نظریاتی، طلسماتی، سائنسی، علامتی، ثقافتی و دیگر نوع کے افسانے رقم ہوئے۔ اُردو افسانہ نگاری میں پاکستانی بلوچ اہل علم نے بھی قابل ذکر سعی کی مگر یہ چمن گوشہ کسی جامع تعارفی تذکرہ سے محروم ہے۔ تقسیم برصغیر کے بعد پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے متعدد بلوچ اہل علم اُردو افسانہ نگاروں نے اُردوئی افسانوی ادب کو بہ لحاظ مقدار و معیار ثروت مند کیا۔ اور غیر بلوچ اہل علم نے ان کی ان کاوشوں کی جا بہ جا تحسین کی۔ ان بلوچ، اُردو افسانہ و ترجمہ نگاروں اور ان کے افسانوی مجموعوں کا تعارف و اجمالی جائزہ درج ذیل ہے:۔

دِل دریچے:

''دل دریچے'' پروفیسر انوار احمد زئی کا ۱۶۰ صفحاتی افسانوی مجموعہ ہے۔ پروفیسر انوار احمد زئی، مضمون نگار، سفرنامہ نگار، افسانہ نگار اور بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن کراچی کے چیئرمین ہیں۔ دل دریچے میں ان کے فن کے بارے میں احمد ندیم قاسمی نے رائے دی کہ: ''وہ اپنے افسانوں کے کرداروں سے پوری طرح عدم وابستہ رہتے ہیں اور ان کرداروں کو ان کی نفسیاتی شاہراہوں پر تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔ یوں وہ ایک افسانہ نگار کا فرض ادا کرتے ہیں جو نہ وعظ کرتا ہے نہ نتیجے نکالتا ہے۔(۵)

پت جھڑ کے خواب:

رفیعہ سرفراز، واحد بخش واحد احمدانی رسول پوری (مصنف ''یادوں کے ریلے'') کی صاحب زادی ہیں۔ افسانہ نگار اور شاعرہ ہیں۔ بہ طور ڈائریکٹر تعلیمات بہاول پور، تعینات رہیں۔ ''پت جھڑ کے خواب'' ان کا ۱۷۵

صفحاتی ۱۴ افسانوں کا مجموعہ ہے جس کے آغاز میں: ۸صفحاتی ''حرف اول'' نوشتہ از سہیل اختر، تین صفحاتی پیش لفظ از مصنفہ،فلیپ از بشریٰ رحمٰن ، جب کہ پس ورق تقریظ نوشتہ از خالد شریف پیش کردہ ہیں۔افسانوں میں: ''اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گذر گئے۔کہ چراغ راہ میں جل اٹھے۔اور لاٹھی ٹوٹ گئی۔آس کی کچی ڈوری۔کا ہے کو بیاہی بدیس۔حسرتیں پھول بنیں۔پت جھڑ کے خواب۔اوزون پھٹ رہا ہے۔ناشکری،کم بخت۔بجھتی آس۔کنارہ نہ ملا۔ٹاور ہاؤس۔ستارے جو ٹوٹ گئے۔یوں بھی ہوتا ہے'' شامل ہیں۔رفیعہ سرفراز کے افسانوں کا محور صنف نازک کے مسائل اور دکھ ہیں جنہیں وہ فن کاری سے بہ انداز چنیں، قرطاس پر بکھیرتی ہیں کہ انسان میں احساس اصلاح کی نمو ہوتی ہے۔افسانوں کا ماحول معاصر تہذیبی تناظر سے ہم رشتہ ہے۔اس حوالے سے پروفیسر سہیل اختر ''حرف اول'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''رفیعہ سرفراز انتہائی دل چسپ کہانیاں لکھنے والی قلم کار ہیں۔...وہ افسانے کے اندرونی عناصر یعنی پلاٹ، استعجاب، حسن اظہار اور اپنے نقطہ نظر کی سادہ اور پرکارانہ وضاحت کا خاص طور پر خیال رکھتی ہیں۔[ان کے] افسانے زیادہ تر گھر گرہستی کے ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔...یہ افسانے سالگرہوں، عقیقوں، منگنیوں اور شادیوں کے پس منظر و پیش منظر میں لکھے گئے ہیں۔گھریلو ماحول، بچپن کے کھیل، رسمیں، تقاریب، آئیڈیل کی تلاش، وفا و جفا شعاری کی آویزش[جیسے موضوعات کی حامل ہیں]۔مصنفہ کے افسانوں میں زیادہ تر اعلیٰ متوسط گھرانوں کا ماحول ملتا ہے۔اونچی اونچی ملازمتوں پر فائز لوگ، عظیم بنگلے اور کوٹھیاں اور بڑے بڑے پورچ، لمبی لمبی کاریں، خوش نما فرنیچر سے آراستہ کمرے، جھلملاتے ہوئے ریشمی پردے، بنگلوں میں آسودہ حال مکین، سبزہ و گل سے بھرپور لان، پھولوں سے مہکتے خیابان؛ لیکن دکھ سکھ چوں کہ انسان کا مشترکہ ورثہ ہے، اس لیے افسانہ نگار نے ایسے پرتعیش ماحول میں بھی انسانی رشتوں کی شکست و ریخت کو تلاش کر لیا ہے۔...رفیعہ سرفراز کے تقریباً سبھی افسانوں کی تہہ میں غم کی ایک رو جاری و ساری ہوتی ہے۔'' ص:۶۔۹

رفیعہ سرفراز کے افسانوں کا انداز بیان، اسلوب، تاثیر اور زیر حجاب حسی رو کے بارے، فلیپ پر بشریٰ رحمٰن لکھتی ہیں کہ:

> ''بلاشبہ رفیعہ سرفراز کو نازک احساسات اور بوجھل جذبات کو بیان کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ان کا اپنا ایک اسلوب ہے۔معاشرے کے اندر ٹوٹتی پھوٹتی قدروں کا انہیں پورا ادراک ہے۔ان پامال ہوتی ہوئی اخلاقی روایات کے بیچوں بیچ گُرلاتے ہوئے ان کی چیخ کو محسوس کرتی ہیں۔اور پھر بیان کرنے پر قدرت رکھتی ہیں۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنسوؤں کے لمبے دھاگے

میں ارمانوں کی کھلی کلیاں اور امید کے روندے ہوئے غنچے پرو رہی ہیں۔... ساری مالا میں عورت ذات کا کرب ہے۔... ان کی کہانیاں اسی معاشرہ کی کہانیاں ہیں۔ ان کے کردار اسی مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ ان کا رہوار خیال انہی گلی کوچوں میں گھومتا ہے۔''

مصنفہ کے افسانوی مجموعہ میں ''پت جھڑ کے خواب'' ایک رومانی اور المیائی افسانہ ہے جہاں صبا کی سال گرہ پر، ایک بینک افسر اسد، اور صبا کی کزن لیکچرر ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ بعد میں ان کی منگنی ہو جاتی ہے مگر اسد اکتساب زر کی خاطر امریکہ جا کر حصول گرین کارڈ کے لیے عقد ثانی کر لیتا ہے جس سے صبا کی کزن لیکچرر کی زندگی اندھیر ہو جاتی ہے۔ دولت کی کشش کے مقابلے میں انسانی جذبات کی قدر و قیمت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ مصنفہ کو، جذبات نگاری و فطری منظر نگاری پر قدرت حاصل ہے۔ افسانہ ''پت جھڑ کے خواب'' سے اسلوبِ نگارش اور منظر نگاری کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''سالگرہ کی تقریب صبا کے سسرال والوں نے نہایت دھوم دھام سے منائی ہوئی تھی۔ سارا گھر رنگ برنگی جھنڈیوں، غباروں اور جلتی بجھتی لائٹوں سے جگ مگ، جگ مگ کر رہا تھا۔ اور ہم سب لڑکیاں میزوں پر خوب صورت صاف ستھرے چمک دار برتن سجا رہی تھیں۔ اور کھانے پینے کی بے شمار ڈشیں بھی رکھتی جا رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے سے ہنسی مذاق بھی کر رہی تھیں۔ گھر میں چاروں طرف رنگ و نور، خوشی اور مسرتوں کا سماں تھا۔'' ص: ۸۷

صنفِ افسانہ، اردو ادب میں گذشتہ صدی اپنی بہار دکھا چکا ہے اور اس کی رونق ہنوز تازہ ہے۔ افسانہ کی تر و تازگی اور نکھار میں بلوچ خواتین کا حصہ بھی شامل ہے جن میں رفیعہ سرفراز، یاسمین ہما گورمانی، مسرت لغاری اور عذرا حفیظ الرحمن نمایاں ہیں۔ (۶)

بے یقینی کا سناٹا:

ڈیرہ غازی خان تونسہ، ملغانی قبیلہ کے طارق بلوچ صحرائی، حال رہائش لاہور کا ۱۶۱ صفحاتی ''بے یقینی کا سناٹا'' ۱۶ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ سرِ تصنیف ۳ صفحاتی ''دیباچہ'' نوشتہ ازظہور احمد قریشی اور ۳ صفحاتی مقدمہ ''میں اور میری کتاب'' نوشتہ از مصنف، پیش کردہ ہیں۔ افسانوں میں: ''جاگتے رہنا۔ سکینہ گھڑی والی۔ ڈیموڈیکس فالی کولورم۔ ایبا سے انسان تک۔ آخری بات۔ قوانین فطرت۔ دھوپ میں بارش۔ شہید۔ زبانی بات۔ برگد۔ آدھا چہرہ۔ خوف۔ خلش۔ شاہ بابا۔ بے یقینی کا سناٹا'' شامل ہیں۔ طارق بلوچ صحرائی کے افسانے، ہمارے دیہاتی اور شہری ماحول کے عکاس، اصلاحی، سبق آموز اور تصوف کا رجحان لیے ہوتے ہیں جن میں رومانیت کا رنگ کم ہی بھرا جاتا ہے۔ اسلوب نگارش اگرچہ سادہ مگر نکتہ رس ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''گاؤں کے عین بیچ میں ایک کنواں تھا۔جس کے قریب ہی ایک گھر تھا جس کے دروازے کے ساتھ والے کمرے میں ایک بڑی گھڑی لگی ہوئی تھی۔یہ خالہ سکینہ کا گھر تھا۔خالہ سکینہ ''سکینہ گھڑی والی'' کے نام سے مشہور تھی۔یہ پورے گاؤں میں واحد گھڑی تھی جس سے پورا گاؤں وقت معلوم کرتا تھا۔یہ اس دور کی بات ہے جب لوگوں کے پاس دولت کم اور رزق بہت زیادہ تھا۔''ص:۲۰ (۷)

دُھند کا سویرا:

طارق بلوچ صحرائی کا ۱۰۰ صفحاتی:''دُھند کا سویرا'' ۱۳ افسانوں کا حامل اولیں مجموعہ ہے جس کے آغاز میں ۳ صفحاتی ''دیباچہ'' نوشتہ از ڈاکٹر عالم خان، ۴ صفحاتی پیش لفظ بہ عنوان:''میں اور میری کتاب'' نوشتہ از مصنف، پس ورق تقریظ نوشتہ از بانو قدسیہ اور فلیپ نوشتہ از ڈاکٹر سلیم اختر ، پیش کردہ ہیں۔افسانوں کے عناوین میں:''برگد۔آدھا چہرہ۔خلش۔شاہ بابا۔محبت فاتح عالم۔شکست خوردہ فاتح۔پچھلی رات کا جنازہ۔کالا کفن۔دیوانہ کون۔خوف۔نوبل پرائز۔دھند کا سویرا۔'' شامل ہیں۔''دُھند کا سویرا'' میں پیش کردہ افسانے کسی قدر حقیقی کہانیاں محسوس ہوتی ہیں۔افسانہ ''برگد'' کو علامت کے طور پر دکھایا گیا کہ یہ میدانی علاقوں میں انسانوں، پرندوں اور گاؤں کے لوگوں کا آرام گاہ ہوتا ہے۔مصنف کے نزدیک والدین بھی اولاد کے لیے برگد کی طرح پناہ گاہ اور چھت ہیں۔برگد کٹ جائے تو گاؤں کے لوگ بے چھت ہو جاتے ہیں۔افسانہ ''دھند کا سویرا'' میں مصنف کے نزدیک جب تک ایمان، خوفِ خدا اور احترام انسانیت دنیا میں ناپید ہوں گے کسی نظام حکومت کی کامیابی غیر ممکن ہے۔تعلیم بغیر تربیت کے، شمشیر بے نیام ہے۔ایسی تعلیم سے سویرا تو برپا کیا جا سکتا ہے مگر یہ دھند کا سویرا ہے، حقیقی اجالا نہیں۔

طارق بلوچ صحرائی کے افسانوں میں فکری لحاظ سے:تصوف، حبِ وطن، ترقی پسندیت، فطرت نگاری، رومانیت، مزدور و انسان دوستی، سامراجیت سے بیزاری، آزادی پسندی، اظہارِ دروں اور داخلی کیفیات کا بیان ہوتا ہے۔وہ افسانوں میں دانش مندانہ نکات پیش کرتے ہیں، جیسے:''محبت تو زندگی ہے۔محبت کی ضد ہیروشیما اور ناگاساگی ہیں۔''ص:۹۰

اُردو ادب کے افسانوی اثاثہ میں ایک دل چسپ اور سبق آموز افسانوی مجموعے کا اضافہ کیا گیا۔(۸)

لاحاصل محبتوں کا ظرف:

طارق بلوچ صحرائی کا ۲۲۲ صفحاتی:''لاحاصل محبتوں کا ظرف'' ۳۸ ۱ افسانوں کا مجموعہ ہے جس کے آغاز میں ۲ صفحاتی بلاعنوان دیباچہ نوشتہ از مصنف، ۲ صفحاتی ''تقریظ'' از ڈاکٹر طارق عزیز؛ فلیپ از ڈاکٹر سلیم اختر

اور پس ورق از بانو قدسیہ، پیش کردہ ہیں۔تصنیف کے کچھ افسانوں کے عناوین درج ذیل ہیں: ''یقین۔ ذات کا بوجھ۔جوگی۔قلندر۔کرب۔ ننگے پاؤں۔سبز روشنی۔جاگتے رہنا۔تایا۔بے چینی۔ شکست خوردہ فاتح۔ آدھا چہرہ۔خوف۔آخری بات۔زبانی بات۔ شہید۔دھوپ میں بارش۔قوانین فطرت۔بھروسا۔اللہ دین کا چراغ۔ چابی۔ ابابیل۔غلط فہمی۔ لاشعور۔دھندھ کا سویرا۔'' طارق بلوچ صحرائی کے افسانے:تعمیرانسانیت، انسان دوستی،ایثار وقربانی کے اقدارفروغ دینے کا ترجمان ہیں۔عبارت میں پُر حکمت نکات قاری کو چونکا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ:

> ''طارق بلوچ کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ انہوں نے افسانے کو خیال آفرینی محض سے نکال کر[اس میں]عصری مسائل... کی نشان دہی ہی نہیں کی بلکہ ان کی وجوہات جاننے اور سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے۔مذہبی ریاکاری،بیوروکریسی کا بے حس رویہ،فوجی اسٹیبلشمنٹ کا ظالمانہ کردار پاکستان کے خلاف عالمی سازشیں،قلیل معاوضہ کے عوض خود اپنے لوگوں کا ان سازشوں کا حصہ بننے کا شرم ناک فعل اور اس تمام صورت حال میں بے وسیلہ لوگوں کی یاس انگیز زندگی، طارق بلوچ کے پسندیدہ موضوعات ہیں۔''ص:۱۱

کہانی نگاری میں چابک دستی،موضوع سے انصاف اور کفایت لفظی، ان کی تحریر کا وصف ہیں۔افسانہ'' قلندر'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''حق کی تلاش میں برسوں دوسروں کے پیچھے دوڑتا رہا مگر مجھے تھکاوٹ اور تنہائی کے سوا کچھ نہیں ملا۔تھک کر میں نے اپنا ہی تعاقب شروع کر دیا تو پتہ چلا کہ میرے اندر تو پوری کائنات آباد تھی۔...اس کائنات کا مالک اپنے ہر مکیں کو محبت اور رحمت کا تحفہ عطا کرتا ہے۔ہمیشہ اپنے رب سے لا حاصل محبتوں کا ظرف مانگو۔بہت سال پہلے ایک شخص میرے پاس آیا تھا، کہنے لگا میرے پاس اسم اعظم ہے، میں تمہیں دینا چاہتا ہوں۔میں نے کہا: کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے اپنے رب سے کچھ نہ مانگنا پڑے۔''ص:۳۶

طارق بلوچ صحرائی نے اُردو افسانوی ادب میں معاصر معاشرہ کے عکوس پر مبنی ایک دل چسپ افسانوی مجموعے کا اضافہ کیا۔(۹)

نا قابل فراموش ہستیاں:

''نا قابل فراموش ہستیاں'' عبدالرحمٰن غور کے سترہ افسانوں کا مجموعہ ہے جو بلوچستان کی سطح پر کسی بلوچ قلم کار کا اولیں افسانوی مجموعہ معلوم ہوتا ہے۔اس طرح وہ مغربی نو آمدہ صنف افسانہ کو بلوچستان میں روشناس کرنے

والے متقدمین کی صف اول میں نظر آتے ہیں۔ان افسانوں کے ذریعے انہوں نے فکری طور پر معاشرتی اصلاح کی کوشش کی ہے۔آغاز تصنیف میں م۔س۔نوشیروانی بلوچ کا نوشتہ''تعارف'' پیش کردہ ہے۔تصنیف میں پیش کردہ افسانوں میں سے چند ایک کے عنوانات درج ذیل ہیں:۔''زندگی کا پل۔وہ کون تھی۔میری روح۔تین ساتھی۔ایک سو سال بعد۔ڈھکا ہوا آنسو۔مور چھل۔وہ بھوکا ہی رہا۔دُرنار'' وغیرہ۔(۱۰)

ٹھہرو:

جھنگ،اٹھارہ ہزاری کے ہیڈ ماسٹر محمد شفیع بلوچ کی ۱۷۸ صفحاتی تصنیف:''ٹھہرو''۱۴افسانوں:''کہانی کی تلاش۔ہمزاد۔شاید۔ماتمِ یک شہرِ آرزو۔تاج پوشی۔جنتِ گم گشتہ۔شکستِ آبرو۔ٹھہرو۔کٹ۔سرکس کا گھوڑا۔مسخ شدہ بندہ۔ملبے میں دبے خواب۔ڈھونڈو تو جانیں۔فقیرافقیری دور ہے'' کی حامل ہے۔سرِ تصنیف مصنف کا ایک صفحاتی ادبی نثری تعارف بہ پیرایہ حمدِ ربِ ذوالجلال:''روشنیٔ طبع''،سات صفحاتی مقدمہ:''ایک یہی اظہار کی حسرت'' اور پس ورق پر:ڈاکٹر فہیم اعظمی،ڈاکٹر وزیر آغا،ڈاکٹر انور سدید،ڈاکٹر ناصر عباس نیر،ڈاکٹر رشید امجد و دیگر کی مختصر تقاریظ پیش کردہ ہیں جہاں ڈاکٹر انور سدید افسانہ نگار سے کلیدی افسانہ کے بابت اظہار خیال کرتے ہیں کہ:

> ''افسانہ'ٹھہرو'پڑھا۔آپ نے ایک نازک موضوع کو بڑی چابک دستی سے اور مختلف زاویوں سے فنی گرفت میں لیا ہے۔میں آپ کو اس کی جتنی بھی داد دوں،کم ہے۔''

ڈاکٹر ناصر عباس نیر لکھتے ہیں کہ:

> ''محمد شفیع بلوچ کا افسانہ انسانیت کُش منفی معاشرتی اقدار کی مذمت سے ایک قدم آگے بڑھ کر کرداروں کو ان کی اصل سے روشناس کراتا ہے۔اور یہ اصل [میں] وہ طرز احساس ہے جسے اس دھرتی کے حساس تخلیقی اذہان نے شر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے بعد جنم دیا ہے۔اس طرزِ احساس کے بنیادی اجزا مذہب،تصوف اور محبت پر مبنی اقدار ہیں۔اس ضمن میں ان کا شاہکار افسانہ ٹھہرو ہے۔اُردو میں اس جیسا افسانہ شاید ہی لکھا گیا ہو۔''

شفیع بلوچ کی تحریریں: فصاحت و بلاغت، پُر وقار متانت،استعاراتی عبارت آرائی،انشاپردازی کے ایک خاص معیار کا مرقع اور مقصدیت سے مملو ہوتی ہیں۔یہی حسنِ تحریر انہیں منفرد اسلوب کا علم عطا کرتا ہے۔وہ سطحی رنگ کی افسانہ نویسی سے بعید رہتے ہیں۔فنی ریاض، گہرائی و گیرائی اور تاثر ان کے افسانوں کا خاصہ ہے۔تاہم رومانویت اور''ہند کے صورت گر و شاعر و افسانہ نویس'' کی فکری چھاپ بھی کہیں کہیں جلوہ گر ہوتی ہے۔ان کے افسانہ''ہمزاد''میں:مذہب و تصوف، سیاست، بے بال و پر ثقافت کی معاصر معاشرتی تناظر میں نقش نگاری ہے

جہاں انسان کی دنیاوی خواہشوں کا خاکہ اڑایا گیا۔امید کا عنصر انسان کو مایوسی سے مامون کرتا ہے۔ممتاز افسانہ ''ٹھہرو'' کا فکری محور 'امید' ہے۔ روزِ حساب جب حضورِ رب، انسانی اعمال وافعال کا معاملۂ جزاوسزا ہوگا اور اعضائے بدن گواہی دیں گے؛افسانہ''ٹھہرو'' سے، بہ حوالہ اصلاحِ ذات، ایک عبرت آموز اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''یہ کسی آرٹس کونسل کا ہال یا کسی ٹی ہاؤس کا کمرہ نہیں کہ تم افسانہ سنا کر واہ واہ سمیٹتے چلتے بنو۔یہ میدانِ حشر ہے۔کوئی دفترِ عمل ہے تو پیش کرو۔۔۔۔۔لے جاؤ اس باتونی چرب زبان کو بھڑ کتے ہوئے شعلوں کے حوالے کردو۔ایسے لوگوں کا یہی ٹھکانہ ہے۔دیکھتے ہی دیکھتے مجھے کئی آہنی ہاتھوں نے جکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے بھڑ کتے شعلوں کی طرف بڑھنے لگے۔میرے وجود کے انگ انگ سے ہیبت ناک آوازیں گونج رہی تھیں:جھوٹا۔مکار۔ریاکار۔دغاباز۔کمینہ۔چغل خور۔لالچی۔خوشامدی۔خودغرض۔سازشی۔چور۔لٹیرا۔چرب زبان۔۔۔۔میرے سامنے آگ ہی آگ تھی۔۔۔جو میرے اور زیادہ قریب کردی گئی تھی بل کہ مجھے اس کے قریب پہنچا دیا گیا تھا۔اس سے پہلے کہ مجھے اس شعلہ بار آگ میں جھونک دیا جاتا،اُدھر سے آواز آئی۔''ٹھہرو!'' اس آواز میں ستر ماؤں کے پیار کی سی ملائمت اور ٹھنڈک تھی اور ادھر سے کوئی میرے کان میں کہہ رہا تھا:الصلواۃ خیر من النوم۔''ص:۱۰۹۔۱۱۰ (۱۱)

ایک اکیلی:

ڈیرہ اسماعیل خان کی مسرت لغاری حال رہائش راول پنڈی کا ۲۷۰ صفحاتی:''ایک اکیلی'' ۱۷افسانوں مجموعہ ہے جن میں: ''سمجھوتا۔نورکی پتلی۔مِس فٹ۔آئینہ جہاں نما۔جال۔ایک حقیقت ایک تاثر۔چھکا۔آج کی تازہ خبر۔تقدیر کی لکیر۔مزاحمت۔فیصلہ۔ایک دیہاتی گیت۔ارزاں۔سوری رانگ نمبر۔جہاد کا لمحہ۔غیرت بادشاہ زادی۔چھاپا'' جیسے افسانے شامل ہیں۔سرتصنیف تین صفحاتی ''ابتدائیہ''نوشتہ از احمد ندیم قاسمی،دوصفحاتی تقریظ از خالدہ حسین،چار صفحاتی تقریظ از شبنم شکیل،دوصفحاتی دیباچہ''سفر میرے افسانوں کا'' از مصنفہ،پیش کردہ ہیں۔ آخرتصنیف ڈاکٹر عبادت بریلوی،محمد خالد اختر،مشتاق احمد یوسفی،سید ضمیر جعفری اور ڈاکٹر جنرل شفیق الرحمٰن کی آرا پیش کردہ ہیں۔احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں کہ:

> ''مسرت کے افسانوں کی پہچان ان کی حیرت انگیز کردار نگاری ہے۔..ان کے بعض افسانے طویل بھی ہیں مگر ان کی نفسانی کیفیت ایسی ہے کہ اگر یہ افسانے مختصر ہوتے تو تشنہ رہتے۔... مسرت کے بیش تر افسانے کرداری افسانے ہیں جو نہایت مشکل فن ہے۔...افسانہ یوں لکھتی ہیں جیسے یہ ان پر وارد ہو رہا ہو۔... مسرت کے ننانوے عشاریہ ننانوے فی صد افسانے فنون میں درج ہوئے۔...میں مکمل اعتماد کے ساتھ مسرت کے افسانوں کی ملک گیر شہرت کی پیش گوئی

کرتا ہوں۔''ص:vi

افسانہ''ارزاں''میں سعدیہ کی کہانی ہے جس کا حق مہر شوہر جوئے میں ہار جاتا ہے اوراس سے، شوہر کا سلوک بھی غیر مثالی رہتا تھا۔اردوافسانوی ادب میں مصنفہ نے خواتین تحریک کے حوالے سے ایک پُراثر مجموعے کا اضافہ کیا ہے۔(۱۲)

گہر ہونے تک:

مسرت لغاری کا ۱۶۶صفحاتی:''گہر ہونے تک''۱۱۳افسانوں کا مجموعہ ہے۔موضوع، غالب کے اس شعر سے ماخوذ ہے کہ:

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ   دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

سرتصنیف دوصفحاتی''ابتدائیہ''احمد ندیم قاسمی کا نیز چارصفحاتی دیباچہ''پہلی بات''ازمصنفہ،مرقومہ ہیں۔افسانوں میں:ریورس گیئر۔ستی۔ ریپلیکا۔سودے بازی۔وہ کون ہے۔نصف،نصف،نصف۔بیگم صاحبہ۔شریف زادی۔دربدر۔تیس پارے۔معمولی باتیں۔... کی تربت پر۔ایسی تو کوئی بات نہیں''شامل ہیں۔ ابتدائیہ میں احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں کہ:

> ''آج سے چند برس پہلے جب مسرت لغاری اوران کی بہن نگہت لغاری نے فنون میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا تو دوچار افسانوں کی اشاعت کے بعد ہی ان کی فنی تخلیقات کی بھرپور تحسین کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا۔بعض نقادوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ جس طرح خدیجہ مستوراور ہاجرہ مسرور نے اردو میں''برونٹی سسٹرز''کی روایت کوزندہ کردیا اسی طرح اب لغاری سسٹرز،خدیجہ اور ہاجرہ کی روایت کوروشن کریں گی۔... مسرت لغاری اُردوافسانے کی دنیا میں قطعی طور پرایک اپنا اسلوب لے کروارد ہوئیں۔مسرت کے افسانوں کی پہچان ان کی حیرت انگیز کردارنگاری ہے۔اوروہ کرداربھی خارجی حالات سے کم اور باطنی صورت حال سے زیادہ قوت حاصل کرتی ہیں۔''ص:۱۱

مسرت لغاری کے افسانوں کا محور محصنات ہیں۔وہ طبقہ نسواں کی ترجمان ہیں۔وہ عقلی طور پران کے بالغ النظر ہونے کی آرزومند ہیں تاکہ وہ بااعتماد آزادانہ زندگی کے سفرکو جاری رکھ سکیں۔انہوں نے محصنات کی سوچ کا نفسیاتی تجزیہ کیا اوروہ انہیں مظلوم سمجھتی ہیں۔ان کے نزدیک:محصنات،جس طرح آغاز میں زندگی کوخوش کن تصور کرتی ہیں،بعد میں وہ اسے ویسا نہیں پاتیں۔ان کے اس روشن منظر کی عدم تکمیل کا ذمہ دار رجال ہیں۔مصنفہ، انسانی فطرت،سماجی اور کائناتی حقیقتوں کا گہرا شعور رکھتی ہیں۔افسانوی اسلوب بیان،فضائے افسانہ اور مکالمہ نگاری پرانہیں قدرت حاصل ہے۔عبارات سے فرزانگی جھلکتی ہے۔ان کے افسانہ''گہر ہونے تک''کا مرکزی خیال

یہ ہے کہ: عورت کی ذات ہنوز نامکمل ہے۔ یہ ارتقائی دور سے گذر رہی ہے جس کی اپنی شناخت نہیں ہو پا رہی۔'' کی تربت پر'' میں مصنفہ ۱۹۶۲ء میں اپنے والد کے قبر پر جا کر موت و حیات کے بارے میں سوچتی ہے اور سابقہ یادیں تازہ کرتی ہے۔''معمولی باتیں'' کا افسانہ محصنات کے اس مسئلہ کو اجاگر کرتا ہے کہ معمولی بات پر زوجہ کو خانہ بدر کر دیا جاتا ہے جس سے بچوں کی تربیت اور زندگی پر منفی اثرات مرتسم ہوتے ہیں۔''ریورس گیئر'' میں ایک دانش ور، روشن خیال خاتون کا انٹرویو ہے جس میں وہ دانش مندانہ نکات کی صورت، زندگی کی مختلف جہات پر اپنی آراء پیش کرتی ہے، جیسے: جنگیں عام ہیں لیکن ہنسی خوشی سے زندگی گزارنے کے منصوبے مفقود ہیں۔ سچائی تمام پریشانیوں کا حل ہے۔ خودکشی قوت برداشت کی کمی کے سبب رونما ہوتی ہے۔ ریپلیکا میں یہ خیال پیش کردہ ہے کہ آرٹ سے ہو بہو تصویر تو بنائی جاسکتی ہے لیکن من کے احساسات وجذبات مصوری کے دائرہ رسائی سے باہر ہیں۔ افسانہ، افلاطونی تصور عینیت کے نقطہ نظر سے نوشتہ محسوس ہوتا ہے۔ اس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''آج تم میرے جذبات کی تصویر اتاردو۔ کہو میرے اندر کے احساسات کو مصور کرلو گے؟... تم کیسی تصویر کاری کرتے ہو بابا جس میں سانس کو آتا جاتا نہیں دکھا سکتے۔ تم ہونٹوں کی تصویر اتارتے ہو لیکن ان کی کپکپاہٹ کو تمہارا مو قلم نہیں پکڑ سکتا۔ یہ ایمان داری تو نہ ہوئی نا؟... اس نے کائنات کی تصویر بنائی اور خدا کہلایا، تم بھی چھوٹے پیمانے پر خدا ہو لیکن کیسے خدا ہو کہ اس کی تصویر کی نقل لگانے بیٹھ جاتے ہو۔؟ تم میرے دھڑکتے دل کی تصویر کیوں نہیں اتارتے؟'' ص: ۴۲

افسانوی مجموعے کے کچھ افسانے قبل ازیں شائع شدہ ہیں۔(۱۳)

نصیب کی صلیب:

مسرت لغاری کی ۲۲۲ صفحاتی ''نصیب کی صلیب'' ۱۷ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جن میں: ''مشیت ایزدی۔ کہانی ایک شیر کی۔ مکاشفہ۔ کینسر، ساٹھ دن۔ عمراں۔ نصیب کی صلیب۔ اماں۔ آتش خاموش۔ تین الفاظ۔ اسے کیا کہیے۔ لمحوں کا چور۔ خسارہ۔ بات کا چرکا۔ بل۔ تاوان'' وغیرہ شامل ہیں۔''گہر ہونے تک'' کی نسبت مصنفہ کی اس افسانوی مجموعے میں فزوں تر فنی پختگی اور اسلوب بیان میں زیادہ نزاکت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ افسانہ''نصیب کی صلیب''، میں پڑھی لکھی ثریّا اپنے خاندان سے باہر بیاہی گئی تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ اپنے گلی کوچوں سے ایک الگ دنیا میں آ گئی بلکہ Deputation پر آ گئی ہے اور شوہر کے رویے سے وہ مزید دکھ کی دنیا میں گھر گئی۔ مصنفہ کے نزدیک، عورت اسی طرح نصیب کی صلیب پر لٹکی رہتی ہے۔(۱۴)

اسلامی افسانے، جلداول:

ملتان کے مولانا نوراحمد خان فریدی نے اپنے ۲۸۲صفحاتی ''اسلامی افسانے، جلداول'' میں نسیم حجازی کے ناولوں کی طرح زیادہ تر مسلمان مشاہیر پر ۱۹اردوئی افسانے پیش کیے۔تصنیف کے آغاز میں چارصفحاتی پیش لفظ بہ عنوان ''تقریب وتقریظ'' نوشتہ از علامہ عبدالرشید نسیم طالوت فاضل السنہ شرقیہ، پیش کردہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ: ''افسانے حقیقتاً، تاریخ زیادہ اور افسانے کم ہیں مگر ان کو پڑھنے کے بعد یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ حقیقت افسانے سے زیادہ دل چسپ ہے۔'' ص:۳

مستنصر باللہ ایم اے، ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول ملتان لکھتے ہیں کہ: ''اسلامی افسانے خصوصاً سکول کے طلباء کے لیے دل چسپ طور پر نہایت سادہ، شستہ اور شیریں انداز میں لکھے ہوئے ہیں۔ادبیت کا معیار بھی بچوں کی ذہنی کیفیت کے مطابق رکھا گیا ہے۔'' ص:۶

شاکرعروجی مدیر ''پرچم'' لائل پور، لکھتے ہیں کہ: ''ہر افسانہ اسلامیات کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ہم ہر سکول کی لائبریری کے لیے اس کتاب کو ضروری خیال کرتے ہیں۔'' ص:۶

مولانا جامی مدیر ''انسان'' گوجرانوالہ لکھتے ہیں کہ: ماہنامہ ''انسان'' گوجرانوالہ، ستمبر کے پرچے میں آپ کا افسانہ ''سلمیٰ'' (شیبۃ الحمد)، ماہنامہ ''بانو'' دہلی سے لے کر شائع کیا ہے۔اس کی تعریف میں اس وقت تک ۳۷۱ خطوط موصول ہو چکے ہیں۔'' ص:۷

برصغیر کے معروف مؤرخ ونقاد الحاج مولانا حامد حسن قادری نے یہ اشعار لکھے کہ:

''رہے تاریخ کے میدان میں گردش — سمند کلک کو ہرگز نہ ٹھیرا
مے اسلام کے سب جام وخم میں — تری ایک ایک سطر ایک ایک پیرا
بیا اے ساقی تاریخ اسلام — بگردش آر ایں میناو مے را
حماک اللہ عن شر النّوائب — جزاک اللہ فی الدارینِ خیراً'' ص:۸

افسانہ: ''سلمیٰ'' میں آنحضرتؐ کے جدامجد سیدنا عبدالمطلب کی ولادت کا واقعہ بیان ہوا۔سلمیٰ ان کی والدہ تھیں۔ اس ۷۶صفحاتی افسانہ کے مآخذ تاریخ طبری، معارج النبوۃ، سیرت عثمانؓ، حیات سیدالعربؐ ہیں۔دیگر افسانوں میں: فاتح خیبر، حضرت علیؓ کے فتح خیبر کا واقعہ ہے۔ابوشحمہ، میں حضرت عمرؓ کا اپنے فرزند پر حد جاری کرنے، سودرے لگوانے اور ابوشحمہ کی ہلاکت کا بیان ہے۔اس کے مآخذ الفاروق، معارف بن قتیبہ، قندیل لاہور، ہیں۔خلیفہ رسولؐ، حضرت عمرؓ کا مدینہ میں ایک مسافر کی بیوی کی تیمارداری کے لیے اپنی اہلیہ کو لے جانے کا قصہ ہے۔ام المومنینؓ، میں

حضرت عائشہؓ کومروان کا اپنے گھر مدینہ میں افطاری کے بہانے مدعو کر کے سازش سے ۵۸ھ میں شہید کرنے کا واقعہ ہے۔ ابوحازمؒ، تابعی تھے۔ سلیمان بن عبدالملک کا مدینہ میں ابوحازمؒ کو اپنی ملاقات کے لیے طلب کرنا اور ابوحازم کی فکرانگیز نصائح کا واقعہ ہے۔ اس کا ماخذ الامامۃ والسیاسۃ ہے۔ الماس، فرغانہ کی ایک مغنیہ کا بایزید بسطامیؒ کی دعا سے حیات زہدانہ اختیار کرنے کی داستان ہے۔ نورالدین کا خواب، میں دو فرنگیوں کا حضورؐ کی قبر مبارک کی طرف سرنگ کھودنے کا تذکرہ ہے۔ صلاح الدین ایوبی، زخمی بادشاہ انگلستان رچرڈ کو اپنی گھوڑی بھیجتا ہے۔ رچرڈ صلیبی جنگ چھوڑ کر انگلستان روانہ ہو جاتا ہے۔ امہات المومنین خدیجہؓ و عائشہؓ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا نوشتہ مضمونچہ ہے۔ انارکلی، میں اس قصہ کو فرضی قرار دیا گیا جس پر سید امتیاز علی کے ڈرامہ کا پلاٹ استوار ہے۔ مصنف کے بقول، انگریزوں نے مسلمان حکمرانوں کو ظالم دکھا کر عامۃ الناس کو اپنے حکمرانوں سے متنفر کرنے کے لیے ایسے قصے گھڑے بلکہ ادیب اور مؤرخ خریدے۔ مصنف نے یہ واقعہ برنگ دیگر پیش کیا۔ عدل جہانگیری، ملکہ نور جہاں کا خواہرزادہ سیف اللہ صوبہ دار کا قصہ ہے جس سے اتفاقاً ایک غریب بچہ ہاتھی تلے ہلاک ہوا۔ جہانگیر نے اس صوبہ دار کو بلا کر ہاتھی تلے ہلاک کر کے انصاف پورا کیا۔ قیدی بادشاہ کی بیٹی، بہادر شاہ ظفر کے قید رنگون کے دوران ایک منہ بولی بیٹی ''سولینا'' کا قصہ ہے جسے انہوں نے اپنا زریں عبا اس کے جہیز میں عطا کیا۔ افسانہ عبدالباقی بلوچ کا نوشتہ ہے۔ تقدیر کی نیرنگیاں، عمومی افسانہ ہے جس میں ایک گم شدہ بچہ، طویل عرصہ بعد، اپنے والدین کو مل جاتا ہے۔ جویائے حق، عہد رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم فقیر عزیز الدین کے مرید رستم جو خدا تعالیٰ سے ملاقات کا آرزومند تھا، کے مجاہدات کا تذکرہ ہے۔ ابن ساباط، چوریاں کرتا، جن کی پاداش میں اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ دیا گیا۔ اس حالت میں بھی جب وہ حضرت جنید بغدادیؒ کی چوری کرتا ہے تو جنید، چراغ جلا کر اسے سامان سمیٹنے اور غار تک لے جانے میں مدد دیتا ہے۔ ابن ساباط کو جب ان کے مرتبہ ولایت کا علم ہوا تو پیشہ سرقہ ترک کر کے قطب کے درجہ تک پہنچے۔ چودھویں صدی کی سسی، میں مظفر گڑھ کی ثریا کے خاوند کو خرکار اغوا کر کے لے جاتے ہیں وہ جوگن بن کر بالآخر ایک کیمپ واقع جیکب آباد سے اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ افسانہ نسیم گلپوری کا نوشتہ ہے۔ میجر البرٹ ریمزے میسی کا قبول اسلام، بھی تاریخی واقعہ ہے۔ جب ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جلیاں والہ باغ امرتسر میں انسانوں پر، جنرل ڈائر نے بلادریغ گولیاں برسانے کا حکم دیا (جہاں اندازاً ساٹھ ہزار آدمی مار دیے گئے)۔ عوامی جم غفیر کو دیکھ کر میجر البرٹ، ڈیوٹی چھوڑ کر ہیڈکوارٹر پہنچا۔ قتل عام سے انکار کیا۔ بعد میں اٹک میں ماہ جون کی دھوپ میں، ایک مسلمان روزہ دار سپاہی کو پٹھو کی سزا بھگتنے اور پھر نل پر جا کر پانی نہ پینے کا عمل دیکھ کر مسلمان ہوا۔ جون ۱۹۳۴ء میں انتقال ہوا۔ قبر برلب سڑک نزد ڈیرہ نواب صاحب ضلع بہاول پور میں ہے۔ غازی علم

دین شہید، بھی تاریخی شخصیت ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں سید عطاؤاللہ شاہ بخاریؒ نے ناموس رسالتﷺ پر ایک ڈرامائی تقریر کی جس کے تھوڑی دیر بعد خبر ملی کہ راجپال، غازی علم الدین کے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے۔

مولانا نور احمد خان فریدی کے یہ افسانے کوئی فرضی تفریحی کہانیاں نہیں بلکہ ان سے مشرق و مغرب کی تاریخ سے ایک ایمان افروز فضا تشکیل پاتی ہے۔ یہ کردار سازی کا سرمایہ ہیں جہاں متانت، اخلاقیات اور اسلامی قدریں پیش نظر ہیں۔ان میں قدیم کو جدید سے ملایا گیا۔ یہ کسی بلوچ افسانہ نگار کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ انداز بیان، مربوط، فاضلانہ اور مقصدیت سے مملو ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ: ''اے پیر مرد [ابوحازمؒ] کیا وجہ ہے کہ موت سے ہم کو ڈر لگتا ہے؟ ابوحازمؒ نے سر اٹھا کر سادگی سے جواب دیا: اے خلیفہ، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ تو نے اپنی آخرت برباد کر لی۔ مگر تیری دنیا آباد ہے۔ اس لیے آبادی سے خرابے کی طرف جاتے ہوئے تمہیں خوف محسوس ہوتا ہے۔'' ص:۱۳۳ (۱۵)

اسلامی افسانے، جلد دوم:

مولانا نور احمد خان فریدی نے اپنے ۳۳۶ صفحاتی ''اسلامی افسانے، جلد دوم'' میں ۲۱ اردوئی افسانے پیش کیے۔ آغاز تصنیف میں ۶ صفحاتی دیباچہ بہ عنوان ''تعارف'' نوشتہ از آزاد شیرازی، پیش کردہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ: ''شیبۃ الحمد، نورالدین کا خواب . . . اور زنجیر عدل بلند پایہ افسانے ہیں۔ . . . ان کتابوں سے بچے، بوڑھے، نوجوان سبھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ . . . ہمیں یہ جان کر مسرت ہوئی کہ مکتبہ قصر الادب اس کتاب کا پانچواں ایڈیشن طبع کروا رہا ہے۔'' ص:۶

تصنیف کے افسانوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:۔ عرابۃ الاوسی، رسول خداﷺ کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر اور قیس بن سعد عرب کے اسخیا تھے۔ عمرو، عبیدہ اور حارث میں بحث چھڑ گئی کہ سخی ترین کون ہے؟ تینوں کو آزمایا گیا۔ عرابہ نے سخاوت سے بڑھ کر ایثار کی حد تک سائل کو اپنے وہ دونوں غلام بھی بخش دیے جو انہیں بحالت نابینائی، برائے نماز مسجد لے جاتے تھے۔ پھر وہ خود راستہ ٹٹول کر مسجد کو جانے لگے۔ عنتر کے آخری سانس، میں عرب کے اِس پہلوان سردار کی بہادری اور بنی حارثہ کو شکست دے کر موت سے ہم کنار ہونے کا واقعہ ہے۔ خواجہ احمد ایاز، سلطان محمد تغلق متوفی ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کے وزیر اعظم تھے۔ عہد فیروز شاہ تغلق کے تاریخی واقعات کا تذکرہ ہے۔ اے بادشاہ تو کہاں ہے؟ میں دور فیروز شاہ تغلق کے رزمی واقعات ہیں۔ جھل فقیر تے ہل فقیر، شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کا ایک واقعہ کرامت ہے۔ میواڑ کی رانی، جس پر ۱۵۳۵ء میں سلطان بہادر شاہ والئی گجرات نے

حملہ کیا تو چتوڑ میں رانا سانگا کی اس رانی کرناتھ نے تیرہ ہزار محصور عورتوں کے ساتھ خود کو بارود سے اڑا لیا۔ پان کی گلوری، میں عہد شیر شاہ سوری اور سلطنت آگرہ کے ہنگامہ خیز واقعات ہیں۔ تمباکو، کشی کی عادت پر جہانگیر نے قدغن لگائی۔ خواجہ صاحب کا حیوانات پر تصرف، میں خواجہ فریدؒ کی کرامات کا تذکرہ ہے۔ باباہری داس، میں تان سین اور اکبر بادشاہ کے واقعات ہیں۔ تاریخ اپنے واقعات دہراتی ہے، میں عمر خیام، حسن بن صباح اور نظام الملک طوسی کا مقبرہ امام ابوحنیفہ پر ملنا، غربت کا ماتم کرنا اور بعد کے واقعات ہیں، جہاں حسن بن صباح، الپ ارسلان کے وزیر اعظم اور اپنے محسن نظام الملک طوسی کو ہلاک کرتا ہے۔ افیونی راجہ، بالکل واڑی جنوبی دکن کا افیونی راجہ جسے ۱۷۸۵ء میں سلطان حیدر علی نے اپنے دربار میں طلب کیا اور اس کے لیے ایک علیحدہ افیونی گاؤں مختص کیا۔ محدث دہلوی مرشد کے حضور میں، شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو حافظ محمد جمال الدین حضرت موسیٰ پاک شہید، ملتان کے مرید ہوئے، کے واقعات ہیں۔ مسجد نواب وزیر خان، لاہور کی تعمیر و تکمیل ۱۰۵۱ھ کا تذکرہ ہے۔ یاقوت کی انگوٹھی، بندھیا چل میں شہنشاہ نورالدین جہانگیر کا ہرن و شیر شکار کرنے اور ایک ماہر نجوم کی بیٹی کا انگوٹھی دیکھ کر بذریعہ علم نجوم انہیں پہچاننے کا واقعہ ہے۔ توزک جہانگیری کا ایک ورق، میں بادشاہ کا ایک بدشعار امیر کو سزا دینے کا واقعہ ہے۔ زنجیر عدل، میں جہانگیر ایک خائن کوتوال کو سزا دیتا ہے۔ نواب سعداللہ خان، عہد شاہ جہاں کے اِسی وزیر کا احوال نامہ ہے۔ طاہرہ، بنت نواب احمد خان والیٔ جھنگ کی بہادری کے واقعات ہیں۔ کوٹ نورنگ کی تباہی، ۱۷۷۴ء میں ملتان کے قریب اس شہر کی نواب محمد شجاع کے ہاتھوں تباہی کا تذکرہ ہے۔ مغلوں کی سزائیں، اسم بامسمیٰ ہے۔ قمرالنساء بیگم، بنت نواب احسان اللہ خان ریاست نگم پور کی غیور شہزادی کا قصہ ہے جو اپنے باپ کے قاتل مہمان کو قدر اسلامی کے احترام میں قتل نہیں کرتی۔

مولانا نوراحمد خان فریدی کے واقعاتی افسانوں میں ایک علمی وقار، ادبی شان، معیاری ابلاغ اور مقصدیت کارفرما ہوتی ہے۔ بلوچ افسانہ نگاروں کے سرخیل اور قیام پاکستان کے بعد، اردو افسانہ نگاروں کی اولیں ٹولی میں نظر آتے ہیں۔ افسانوں میں اردو اور فارسی اشعار کا استعمال ہے۔ عمر خیام کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ابریق مئے مرا شکستی ربی — برمن درِعیش رابہ بستی ربی
برخاک بریختی مئے ناب مرا — خاکم بدہن مگرتو ہم مستی ربی

ترجمہ: اے خدا تونے میرا شراب کا پیالہ توڑ دیا۔ میرے عیش کا دروازہ بند کردیا۔ میری شراب کوریت پر گرا دیا۔ میرے منہ میں خاک۔ کیا تو بھی مست تھا۔

اسی وقت آندھی چلی، گستاخ شاعر کا منہ سیاہ ہوگیا۔لونڈی نے شیشہ دکھا کر کہا اپنی گستاخی کا حشر دیکھ۔شاعر کے جذبات نے ایک دفعہ پھر انگڑائی لی اور شیشے میں اپنا منہ کالا دیکھ کر کہا:

ناکردہ گناہ درجہاں کیست بگو   وآنکس کہ گناہ نکردوزیست بگو

من بدکنم وتوبدمکافات دہی   پس فرق میان من وتوچیست بگو؟

ترجمہ: دنیا میں ایسا کون ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو۔اگر میرے گناہوں کا بدلہ بھی مجھے برائی کی صورت ملے تو اے خدا تیرا اور میرا کیا فرق رہ گیا؟

ابھی رباعی کا آخری لفظ بگو، زبان پر ہی تھا کہ عمر کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگیا۔اسی وقت سجدے میں گر کر کہا۔اے الٰہ العالمین! آج میری گستاخی اور تیری رحمت کاملہ دونوں کی انتہا ہوگئی۔اب زیادہ جینے کی ہوس نہیں۔اپنی شان کریمی کے صدقے مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ یہ کہنا تھا کہ اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔''ص:۱۴۶ (۱۶)

جیون روپ:

گورمانی، بلوچوں کا معروف قبیلہ ہے جو ڈیرا غازی خان، کوٹ ادو، مظفر گڑھ پنجاب میں آباد ہے۔ نواب مشتاق احمد خان گورمانی ریاست بہاول پور کے وزیر اعظم اور مغربی پاکستان کے گورنر رہے۔اسی قبیلہ کی خاتون افسانہ نگار یاسمین ہما گورمانی ہیں جن کا اصل نام ساجدہ یاسمین ہے۔سکونت جام پور ڈویژن ڈیرہ غازی خان، گورنمنٹ گرلز ڈگری کالج چوٹی زیریں میں لیکچرر ہیں۔ایم اے تاریخ اور بی ایڈ ہیں۔اخبارات میں مضامین و افسانے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔جیون روپ ان کا ۱۶۰صفحاتی ،اولیں افسانوی مجموعہ ہے جس میں ۲۵ افسانے پیش کیے گئے۔افسانوی مجموعے کے آغاز میں ڈاکٹر محمد فاروق ومحمد عارف گل کا دوصفحاتی ابتدائیہ:''اپنی بات'' پیش کیا گیا ہے۔پیش لفظ بہ عنوان:''آئینہ زشت وزیاں'' بہ قدر دوصفحات مصنفہ کا خود رقم کردہ ہے۔پس ورق مستنصر حسین تارڑ کا محررہ ہے جس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''پاکستانی خواتین نے ادب میں اپنی صنف کے حوالے سے ایک بھرپور تحریک کا آغاز کر دیا ہے۔جس میں عورت وہ ہے جو کہ وہ خود ہے۔یاسمین ہما گورمانی نے بھی یہی رویہ اختیار کیا ہے۔اور ہمارے معاشرے کی پسی ہوئی اور خاک نشین عورت کے دکھوں، اذیتوں، محبتوں کی بھرپور نمائندگی کی ہے۔یقیناً ان کے افسانے اردو ادب میں ایک اہم مقام پر فائز ہوں گے۔''

ڈاکٹر محمد فاروق ومحمد عارف گل ابتدائیہ میں لکھتے ہیں کہ:

''کسی خاتون افسانہ نگار کے لیے سب سے اہم مسئلہ عورت ذات ہی ہوتی ہے۔جسے وہ اپنی

نگارشات میں موضوع بناتی ہے۔ پھر یہ بھی کہ جس علاقے سے زیر نظر کتاب کی مصنفہ کا تعلق ہے وہاں دراصل یہی سب سے بڑا موضوع ہے۔ ایسا علاقہ جو پاکستان کا سب سے پس ماندہ ڈویژن کہلاتا ہے۔ ایسے علاقے میں رہنے کے باوجود کسی خاتون کا ہمت کر کے عورتوں کے مسائل کو اجاگر کرنا اور اس پر اتنا احتجاج کرنا حیرت انگیز بھی ہے اور قابل تعریف بھی۔ محترمہ مصنفہ نے اپنی بساط بھر معاشرے کے مختلف المیوں کو جس طرح افسانوں کا روپ دیا ہے وہ یقیناً پڑھنے والوں پر اثر انداز ہوگا اور انہیں غور فکر پر مجبور کرے گا۔'' ص: ۷۔۸

پیش لفظ میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

''بنا کر سیاہی آنکھوں کی خوناب لکھی نوک مژگاں سے اک کتاب'' ص: ۱۰

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرے میں زیست جب قطرہ قطرہ خودغرضی، لالچ اور بے حسی جیسے ناکارہ رویوں سے بھر جائے تو بے روح معاشرتی فساد پر یاسمین ہما گورمانی جیسے درد دل رکھنے والے لوگ چیخ اٹھتے ہیں۔ یاسمین ہما گورمانی کے افسانوں کا فکری محور عورت ذات، انسانی دکھ و کرب اور معاشرتی شکست و ریخت ہے۔ ان کے افسانے عصر رواں کے معاشرتی ماحول کی عکاس ہیں جو معاشرتی ناہمواریوں، بالخصوص خواتین کی دکھوں کا ترجمان ہیں۔ ان میں زیادہ تر ناخوب معاشرتی مناظر و ماحول کی عکس گری ہے۔ خواتین کے نفسیاتی مسائل اجاگر کرنے کے حوالے سے اردو ادب میں یہ شعوری پیش رفت ہے۔ افسانہ اگرچہ ایک فرضی کہانی ہے مگر یہ کہانی حقیقت کے قریب ہے۔ افسانے اصلاحی نقطہ نظر سے لکھے گئے ہیں یوں یہ مقصدیت کا پرتو لیے ہوئے ہیں۔ یاسمین ہما گورمانی کے افسانوں کا الگ الگ تعارف اس طرح ہے:۔

<u>سرد ہاتھوں کا طواف</u>: یہ خواتین کے دکھ، رنج اور مسائل پر مبنی افسانہ ہے جن کی وجہ سے پورا گھرانہ ماتم کدہ بن جاتا ہے۔ اس میں ٹھگ عاملوں اور پیسہ بٹور ڈاکٹروں کا پردہ بھی چاک کیا گیا ہے جن کا مقصد حیات صرف مجبوروں سے خراج وصول کرنا ہے۔ چند بلوچی روزمرہ اصطلاحات کو بھی اردو لغت کا حصہ بنایا گیا جیسے: جھکوں بھکوں (جگھ بگھ)۔

<u>خوبان ہنر</u>: سفارش پر نالائق لوگ بھرتی ہو کر حکومتی نظام کو ناکارہ کر دیتے ہیں۔ جب کہ لائق لوگ حق نہ ملنے کی وجہ سے دل مسوس کر رہ جاتے ہیں۔ ایک ایسی سفارشی بھرتی شدہ لیڈی لیکچرر کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ ایک نثر پارہ ملاحظہ ہو جہاں یہ لیڈی لیکچرر اپنے ساتھی لیکچرروں کو اپنے بھرتی ہونے کا قصہ سناتی ہے:

''دیکھو لوسوئیٹ سسٹر! میرے ہسبینڈ نے تو چیف منسٹر کی دہلیز پکڑ لی تھی کہ یا تو میری مسز کو سیٹ دو یا میری میت کا سٹرفکیٹ دِدھ، تاوان دینے کا بندوبست کرو۔۔۔ہم حیرت سے سنتے

رہے۔''ص:۲۱

تخلیق کا کرب: بعد از رشتہ ازدوج، جب تخلیق کار آرٹسٹ خواتین کی ایسی صلاحتیں محدود کردی جاتی ہیں تو وہ ذہنی مریض بن جاتی ہیں۔

آشوب گاہ: الم ناک معاشرتی برائیاں جہاں والدین دختر فروش اورشوہر تشدد پسند ہیں، کواجاگر کیا گیا ہے۔

جیون روپ: مال روڈ مری پر جہاں پُر رونق سیل لگی ہوئی ہے مگر ایک معذور شخص بھی موجود ہے۔ دکھ نہ ہو تو سکھ کی قدر کون کرے گا؟

انت سلجھاؤ: بیوہ خواتین، جن کی اولاد بھی سہارا نہیں بنتی، ذہنی کرب کا شکار ہو جاتی ہیں۔

اسیر اپنی انا کے: سرکاری دفاتر میں نالائق سٹاف کی بھرتی، خوشامدی ٹولہ کا روپ دھار کر نظام کو ناکارہ بناتے ہیں۔ ادارہ سازشوں کا گڑھ بن جاتا ہے جس کی اصلاح سربراہ ادارہ بھی نہیں کر پاتا۔

تنگیٔ داماں: ایسی طالبات جو بیرون ملک حصول تعلیم کے لیے بھیج دی جاتی ہیں کہ تعلیم شعار اسلام ہے، والدین کی طرف سے اخلاقی پابندیاں، انہیں نفسیاتی مسائل سے دوچار کرتی ہیں۔

مقدر کا جنوں: وادی کشمیر کی خواتین کا المیہ جنہیں ان کے شوہر بھی عدو کے مظالم سے محفوظ رکھنے سے بے بس ہیں۔

جگ استھان: مناظر فطرت کے مظاہر درخت، انسان کے ساتھی اور سکون کا موجب ہیں۔قدرت کی کوئی چیز بے فائدہ نہیں۔

کیفیت: خاندان سے باہر شادی، مسائل کا موجب بنتی ہے۔خواتین پر تشدد کے علاوہ اولاد کا میکے والوں سے ماں کے توسط سے رقم بٹور کر اُڑانا جیسے عوامل، خواتین کی زندگی پر الم ناک اثرات چھوڑتے ہیں۔

خط امل: دولت کی بھوکی اور خودغرض اولاد، والدین کے لیے پریشانی کا سبب بنتی ہے۔بالآخر اپنے کیے کی سزا پاتی ہے۔

جہدالبقا: ساس اپنے بیٹے کو معصوم سمجھتی ہے۔یوں میاں بیوی کی ان بن سے نوبت طلاق تک پہنچنے سے بچے دربدر ہو جاتے ہیں۔

تقطیرادب: رومانی افسانہ جس میں خواتین کو باوقار رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

نانی جیناں: گاؤں کی مضبوط، محنتی، بچوں سے شفقت کرنے والی خاتون بالآخر بڑھاپے میں ظالم شوہر کے تشدد سے ہلاک کر دی جاتی ہے۔

خدائے ناتراش: خود پسند و متکبر مسز قیصرانی سٹاف کو حقیر سمجھتی ہے۔خود کو بڑے خاندان کی سمجھنے والی دوسروں کی نظر

میں حقیر ہوتی ہے۔

پیت پشتارہ: رومانی پلاٹ کا افسانہ جہاں خاتون کی خاندان کے ضوابط سے بغاوت کے بعد کی زندگی عذاب کا روپ دھار لیتی ہے۔

ننگے پیٹ: غربت، بھوک، بیماریاں، لڑائیاں، مقدمہ بازی، اغوا، قتل جیسے معاشرتی المیوں اور رویوں کا خمیازہ خواتین کو بھگتنا پڑتا ہے۔

زیست غمزہ ہے غضب: پاگل بیٹی کو بے سہارا کرنے کے بعد صنعت کار باپ دوسری شادی کرتا ہے تو بیٹی کے لیے قابل نفرت بن جاتا ہے۔

اسرار: معاشرتی حرص و ہوس کے سامنے رشتے بے توقیر ہیں۔ رشتہ دار جائیداد کی حصول کی خاطر، نوجوان گل حسن کو قتل کر دیتے ہیں۔

تغافل: خواتین کی فطری جذبات پر پابندیاں، انہیں رنج و مصائب اور بیماریوں میں دھکیل کر ہسٹیریائی بنا دیتی ہیں۔

پہلی چوٹ: شوہر کے انتقال کے بعد بیوہ کو طعنے سننے پڑتے ہیں۔ وہ نفسیاتی مریض بن جاتی ہے۔ یوں گھر تباہ ہوتے ہیں۔

سرگزیدہ: قبرستان میانی صاحب جہاں لوگ قبروں پر پھول بکھیرتے ہیں، بچی لاش دیکھ کر دم توڑ دیتی ہے۔ بچے قبروں پر نہ لے جائے جائیں۔

چیخ: متضاد رویے جہاں گم شدہ گونگے بچے کو بس سے دھکا دیا جاتا ہے۔ ماں درود پاک کا ورد کرتی ہے۔ پریشانی سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

ست خصمی: جھوک جھلڑ کی کم علم بچی روزمرہ گفت گو میں یہی کلمات کہتی اور بالآخر اسم بامسمیٰ بن گئی۔ بچوں کو کلمات خیر سکھانے چاہئیں۔

بلوچ خواتین کی طرف سے اُردو نسائی ادب میں مسرت لیغاری اور رفیعہ سرفراز کے افسانوی مجموعوں کے بعد یاسمین ہما گورمانی کا یہ افسانوی مجموعہ بلا شبہ کامیاب کاوش ہے۔ ان کا انداز بیان جدید ہے۔ فکری، فنی اور تأثر کے حوالے سے: نانی جیناں، تنگیٔ داماں، خوبان ہنر، جیون روپ، اسیر اپنی انا کے اور خدائے ناتراش عمدہ افسانے ہیں۔ افسانے معاصر معاشرتی رویوں کے عکاس ہیں۔(۱۷)

میرے ابو شہر سے آئے:

ڈیرہ غازی خان، تونسہ بزدار قبیلہ کی عذرا حفیظ الرحمٰن، حال رہائش ملتان کا بچوں کے لیے نوشتہ

۱۱۲صفحاتی: ''میرے ابوشہر سے آئے'' ۱۶ کہانی نما افسانوں اور ۸ معریٰ و پابند نظموں کا مجموعہ ہے جس کے آغاز میں ایک صفحاتی پیش لفظ ''پہلی بات'' مصنفہ کا خود مرقومہ ہے۔ افسانوں میں: ''مینڈک کا راگ۔آنکھیں میری آنکھیں۔میں پھولوں کی رانی۔کہیں یہ خواب تو نہیں۔پھولوں بھری فراک۔گل دان کے پھول۔خلوص کی قیمت۔سب کچھ تو ہے۔معصوم جذبہ۔محبت کے دوروپ۔آزادی کی تمنا۔معصوم جذبوں کی کہانی۔آزادی کا حق۔سچے جذبے۔تم واقعی ایک پری ہو۔بھیاتم کتنے اچھے ہو'' جب کہ منظومات میں: ''میرے ابوشہر سے آئے۔دونوں ہی تتلیاں ہیں۔میں نیند پری کو دیکھوں گا۔ابو کے جوتے پہن کر نہ چلو۔منے جھوٹ کبھی نہ بولو۔کلی کیسے پھول بنی۔چندا ماما کا گھر کہاں ہے۔آئینہ صورت'' شامل ہیں۔کہانی نما افسانوں اور نظموں میں بچوں کی معصوم خواہشات کی عکس گری ہے۔ پھولوں،تتلیوں، باغوں،گڑیوں،کھلونوں، بستہ،سکول اور فطرتی مناظر کا تذکرہ ہے۔ آزادی، حبِ وطن اور خودداری کے تصورات سموئے گئے۔امیر وغریب کا فرق،غریبوں میں امارت کے لیے اضطراب اور امیروں میں بے سکونی کا حل قناعت بتایا گیا۔تحریر میں دل چسپی کے عنصر کے طور پر گویائی سے محروم اشیاء: مجسمے،بیل،گھوڑا، چڑیا،خرگوش اور گلاب وغیرہ کو انسانوں کی طرح بولتا دکھایا گیا۔ پلاٹ مربوط اور مکالمے مدلل ہیں۔بندش الفاظ اور بلندیٔ خیال کو بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق رکھا گیا۔معاصر معاشرتی گذران کے نقوش پیش کیے گئے۔مصنفہ کے آبائی وطن کوہ سلیمان کی وادیوں میں بلوچ بودوباش کا عکاس،ایک نثر پارہ ملاحظہ ہو:

> ''لمبے لمبے سنہری بالوں والی گول مٹول شہزین پہاڑوں کی وادی میں رہتی تھی۔یہ وادی بہت خوب صورت تھی۔وادی کے تمام لوگ غریب تھے۔لیکن ان کے دل اس وادی کی طرح خوب صورت اور چشموں کے پانی کی طرح صاف وشفاف تھے۔۔۔۔شہزین سے بڑی ایک بہن تھی۔۔۔۔اور ایک چھوٹا بھائی گلو۔دونوں بہن بھائی صبح صبح ناشتہ کر کے بھیڑ بکریاں چرانے نکل جاتے۔سرمئی رنگ کے پہاڑ،رنگ برنگے پھول، ہری ہری گھاس اور پھر چشموں کا شفاف پانی دیکھ کر دونوں بہن بھائی بہت خوش ہوتے۔۔۔۔مگر ایک دم ان کی خوشیوں کو نظر لگ گئی۔ہنستے مسکراتے چہرے غم زدہ ہو گئے۔ہوایوں کہ ان کی بستی کے قریب ہی ڈاکوؤں نے پڑاؤ ڈال لیا اور رات کے وقت وہ کسی نہ کسی گھر میں ڈاکہ ڈالتے اور تمام مال لوٹ لیتے۔''ص:۸۷

بلوچ خاتون کی طرف سے، بچوں کے لیے، کہانیوں/افسانوں اور نظموں کا ایک دل چسپ مجموعہ اُردو ادب کا اثاثہ بنایا گیا۔(۱۸)

نوذ ورغام:

ڈیرہ بگٹی کے ساکن اور شعبہ سیاسیات بلوچستان یونی ورسٹی کوئٹہ کے پروفیسر عزیز محمد بگٹی کے ۱۱۶افسانوں

کی حامل تصنیف ''نوذو رغام'' تین السنہ: بلوچی، اردو اور انگریزی تحریروں سے مزین ہے۔اس کا Foreword نواب محمد اکبر خان بگٹی کا محررہ ہے۔تصنیف میں اُردو کا ایک افسانہ: ''سکوت ناتمام'' بہ قدر سات صفحات از صفحہ ۹۸ تا ۱۰۴ پیش کردہ ہے جو مزدور و سرمایہ دار کے پس منظر کا حامل، ترقی پسند سوچ کا ترجمان ہے۔ جہاں غریب کے بچے کو عید پر بھی بہ مشکل نئے کپڑے نصیب ہوتے ہیں۔تاہم تصنیف میں سعادت حسن منٹو کے دو اردو افسانے ''نیا قانون'' (نوخیں کانود) اور ''مزدوری'' بہ قدر اٹھارہ صفحات مع روسی افسانہ نگار ٹالسٹائی کا ایک افسانہ ''پھرام'' (دھوکہ) بلوچی ترجمہ کر کے پیش کیے گئے جو بہ ہر صورت بہ رنگ دیگر اردوئی توسیع نظر آتے ہیں۔ افسانوی مجموعہ استحصالی طبقوں کے استحصالی ہتھکنڈوں اور غریبوں کی غربت و دکھوں کی داستان عبرت ہے جہاں غریب بچوں کی بچپن کی خوشیاں بھی چھن جاتی ہیں۔ایک بلوچ پروفیسر کی طرف سے اردو افسانوی خزانے میں کم اضافہ سہی لیکن بلوچستان کے بلوچی بولنے والے خطے میں ایک معیاری اضافہ ضرور ہے۔ پروفیسر عزیز محمد بگٹی کو اس تصنیف کی اشاعت پر حکومت پاکستان کی طرف سے ہجرہ ایوارڈ عطا ہوا۔ اسلوب نگارش سادہ اور مؤثر ہے۔بلوچستانی پس منظر میں نوشتہ واحد اردو افسانہ سے ایک نثر پارہ ملاحظہ ہو:

> ''تشنہ آرزوؤں کا سرچشمہ وہ فصل تھی جس کی چند دنوں میں بٹائی ہونے والی تھی۔آخر فصل کی بٹائی کا دن آ ہی گیا۔زمیں دار فصل کی بٹائی کے دن خود فصل پر آیا۔بٹائی شروع کی گئی۔حیدرحاں فرط مسرت سے کھڑا خرمن کی طرف دیکھ رہا تھا[کہ اب]...مجھے اپنی محنت کا صلہ مل گیا ہے۔اب شارؔی اور نازؔو کی فرمائش پوری کروں گا۔اپنے حصے سے کچھ غلہ بازار میں بیچ کر اپنے معصوم بچوں کے لیے کپڑے اور گڑیا خریدوں گا۔بٹائی ختم ہوگئی۔... کھیت کی پیداوار میں سے آدھا حصہ صرف ایک شخص یعنی زمیں دار لے گیا باقی آدھا حصہ بیسیوں کسانوں کو نصیب ہو سکا۔'' ص:۹۹ (۱۹)

غلام حسن حیدرانی دے افسانے:

غلام حسن حیدرانی ۴ جنوری ۱۹۲۲ء کو میر احمد خان حیدرانی لُنڈ رند بلوچ کے ہاں شادن لُنڈ، ضلع ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ مڈل پاس کرنے کے بعد ۵۰-۱۹۴۹ء میں نارمل سکول مظفر گڑھ سے جونیئر ورنیکلر ٹیچر کورس پاس کیا۔۱۴ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو بہ حیثیت پرائمری استاد بلدیہ ملتان کے ایک مدرسہ میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔۲۲ سال مدرس رہے۔مئی ۱۹۷۵ء میں انتقال ہوا۔غلام حسن حیدرانی سرائیکی افسانہ نگار، مترجم اور شاعر تھے۔ان کے دس سرائیکی افسانوں کو بہ قدر ۱۲۲ صفحات، ان کی وفات کے بعد مہر گل محمد ایم اے ایل ایل بی نے مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کیا۔افسانہ نگار نے سرائیکی افسانہ ''ہن کیندا بوہا کھڑکاواں'' میں دو ایسے کردار شامل کیے جن میں ایک سرائیکی اور دوسرا اُردو بولتا ہے۔اُردو مکالمے صفحہ ۶۹ تا ۷۷ پیش کردہ ہیں۔اس طرح

سرائیکی زبان میں شناخت اُردو کو بہ ہر صورت برقرار رکھا گیا۔(۲۰)

انجیر کے پھول:

کوئٹہ بلوچستان کے افضل مراد نے بہ قدر ۱۸۰ صفحات بلوچستان کے ۲۵ افسانوں کو اردو ترجمہ کرکے ''انجیر کے پھول'' کی صورت پیش کیا جن میں ۱۱ بلوچی، ۳ پشتو اور ۱۱ براہوئی افسانے اُردو مترجمہ ہیں۔ آغاز تصنیف میں: چھ صفحاتی دیباچہ ''انجیر کے پھول'' نوشتہ از محمد حمید شاہد پیش کردہ ہے۔ بعدۂ مشمولہ افسانہ نگاروں کا ۴ صفحاتی تعارف ہے۔ آخر تصنیف ایک مضمون ''مزاحمت کی درسیات، بلوچستان کے افسانے کا ایک مطالعاتی تناظر'' نوشتہ از آصف فرخی پیش کردہ ہے۔ مترجمہ افسانوں میں: ''اور بلوچ نے مجھے دھکا دیا از گوہر ملک۔ دادی کیوں تنہا ہے؟ از گوہر ملک۔ کیا یہی زندگی ہے؟ از ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی۔ تھوڑا سا پانی از غنی پرواز۔ دس دس کے صرف چار نوٹ ازغنی پرواز۔ قتل رحم دلی از صورت خان مری۔ کہاں سے آئے ہو؟ از پروفیسر صبا دشتیاری (مقتول)۔ اور پھر گیٹ کھلا از منیر بادینی۔ تاریک راہیں از ڈاکٹر علی دوست بلوچ۔ بے گناہی کا گناہ از حکیم بلوچ۔ حانی اب بھی بے بس از پروفیسر عزیز محمد بگٹی۔ ۲۰۳۵ء از دُر محمد کانسی۔ آب حیات از نصیب اللہ سیماب۔ پرندہ از فاروق سرور۔ انجیر کا پھول از ڈاکٹر تاج رئیسانی۔ چیخ از ظفر مرزا۔ ادھورے خواب از وحید زہیر۔ آخری نظر از وحید زہیر۔ گرو از وحید زہیر۔ بارش کی دُعا از عارف ضیاء۔ چرواہے کے لوک گیتوں کی ... از عارف ضیاء۔ ڈاکٹر از اثیر عبدالقادر شاہوانی۔ گم شدہ خطوط از افضل مراد۔ آخری فیصلہ از افضل مراد۔ دوسرا سچ از افضل مراد۔ شامل ہیں۔

تصنیف میں پیش کردہ افسانے بلوچستانی ثقافت کا ترجمان ہیں۔ گوہر ملک نے ''... اور بلوچ نے مجھے دھکا دیا'' کے مؤثر افسانے میں، بلوچستان میں ترقی دینے کے دعوے دار سیاسی نعرہ بازوں کی دھوکہ بازی کا خاکہ اڑایا ہے۔ مترجمہ افسانوی مجموعے میں بلوچستانی ثقافت کو اُردو افسانے کی صورت پیش کرکے اُردو افسانے کے نقوش میں ایک نیا اور شوخ رنگ روشن کیا گیا ہے۔(۲۱)

بلوچ نے مجھے دھکا دیا:

چاغی بلوچستان کی گوہر ملک (۱۹۳۸ء۔ ۲۸ فروری ۲۰۰۰ء) بنت میر گل خان نصیر ملک الشعراء: افسانہ نگار، مضمون نگار اور ترجمہ نگار رہیں۔ ''بلوچ نے مجھے دھکا دیا'' ان کے ایک بلوچی افسانے کا مترجمہ عنوان ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر شاہ محمد مری نے، گوہر ملک کے ۷ بلوچی افسانوں اور ایک مضمون کا اُردو ترجمہ کیا۔ پھر ان مترجمہ افسانوں، ۲ اُردوئی مضامین (بشمول مترجمہ مضمون)، ان کی حیات و شخصیت اور ادبی خدمات پر نوشتہ ۳ تاثراتی

اردوئی مضامین نیز بذات خود گوہر ملک کی بلوچی میں ترجمہ کردہ ۳ مضامین کو یک جا کر کے ۱۳۲صفحاتی مجموعہ کی صورت شائع کیا۔ سرِتصنیف، مترجم کا تین صفحاتی پیش لفظ ''میری بات'' نوشتہ ہے۔ اُردو مترجمہ افسانوں میں: ''بڑھیا کی تنہائی۔ خدامارے کہ بندہ۔ بلوچ نے مجھے دھکا دیا۔ نصوح۔ بٹی۔ لوسنو!۔ بانجھ''؛ مضامین میں ''گوتم بدھ۔ اپنے والد کی یاد میں''؛ گوہر ملک پر نوشتہ تاثراتی مضامین میں: ''وطن کی محبت سے سرشار تخلیق کار گوہر ملک از ڈاکٹر علی دوست بلوچ۔ گوہر ملک از یوسف گچکی۔ گوہر ملک نمیران ہیں از پروفیسر عبداللہ جان جمالدینی؛ جب کہ بذات خود گوہر ملک کے بلوچی میں ترجمہ کردہ ۳ مضامین میں: ''ازاد تبیں غلام۔ پیرانی۔ ناروائیں غلام'' پیش کردہ ہیں۔

بلوچستان کی ایک بلوچ ادیبہ کی افسانوی اور ادبی کاوشوں کو یک جا کر کے ان کے بارے میں مفید مجموعہ، دنیائے اُردو کا حصہ بنایا گیا۔ (۲۲)

منتخب سوویت افسانے:

بولان میڈیکل کالج کوئٹہ کے وائس پرنسپل پروفیسر ڈاکٹر شاہ محمد مری نے سوشلسٹ نظریات کے حامل، سترہ روسی افسانہ نگاروں کے، ۱۸ روسی افسانوں کو بہ قدر ۳۵۰ صفحات اُردو ترجمہ کر کے ''منتخب سوویت افسانے'' کی صورت پیش کیا۔ سرِتصنیف تین صفحاتی ''پیش لفظ'' نوشتہ از مترجم ہے۔ افسانوں میں: ''طوفان کی رات اور سمولنی ازاناتولی لوناچرسکی (۱۸۷۵ء۔ ۱۹۳۳ء)۔ دنیا کو جھنجھوڑ ڈالنے والے دس دن از جان ریڈ (۱۸۷۷ء۔ ۱۹۲۰ء)۔ لینن نے فرمانِ زمین لکھا از ولادی میر برونچ بروئے وچ (۱۸۷۳ء۔ ۱۹۵۵ء)۔ سوویت ہتھیار از ولادی میر بروئچ بروئے وچ۔ پہلی ادائیگی از الیگزینڈرا کولنتائی (۱۸۷۲ء۔ ۱۹۵۲ء)۔ حرام زادہ از میخائل شولو خوف۔ جاسوسی از الیگزینڈر رفادائیف (۱۹۰۱ء۔ ۱۹۵۶ء)۔ حرف T از وسیوالود آئیو انوف (۱۸۹۵ء۔ ۱۹۶۳ء)۔ اندھے کا معالج از عبداللہ قہار (پ ۱۹۰۷ء)۔ نوربی بی کا جرم از ویراِن بر (پ ۱۸۹۰ء)۔ نینداز کا تائیف (پ ۱۸۹۷ء)۔ اکتالیسواں از بورس لاورن یوف (۱۸۹۱ء۔ ۱۹۵۹ء)۔ ہتک از زورچ (۱۸۹۹ء۔ ۱۹۳۷ء)۔ عوامی وزیر تعلیم از کورنی چوکووسکی (پ ۱۸۸۲ء)۔ گورکی ہمارے بیچ از فیڈن (پ ۱۸۹۲ء)۔ کامواز میکسم گورکی (۱۸۶۸ء۔ ۱۹۳۶ء)۔ چہل قدمی از یوری جرمن (۱۹۱۰ء۔ ۱۹۶۷ء)۔ تین لڑکے از ویرا پانووا (پ ۱۹۰۵ء)۔'' شامل ہیں۔

مترجمہ افسانے زمانہ بالشویک انقلاب اکتوبر ۱۹۱۷ء کے قریب قریب لکھے گئے۔ ایک لحاظ سے یہ سوشلزم کے لیے لڑنے والوں کی رپورتاژ ہیں جن میں انسانیت کی تذلیل، معاشی لوٹ کھسوٹ اور استحصال کے

تناظر میں غریبوں، مجبوروں اور مظلوموں کی جدوجہد کو دکھایا گیا ہے۔ ترجمہ عام فہم، معیاری اور روسی معاشرے کا عکاس ہے۔ افسانہ ''طوفان کی رات اور سمولنی'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''سمولنی سراپا چراغاں تھا۔ پُر جوش لوگوں کے گروہ تیزی سے آگے پیچھے آ جا رہے تھے۔ یوں تو عمارت کے ہر حصے میں جوش وخروش دکھائی دیتا تھا لیکن لوگوں کا ایک جم غفیر سب سے زیادہ بے صبری اور تیزی سے اوپر کی منزل کی طرف رواں دواں تھا جہاں فوجی انقلابی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا۔ باہر کے کمرے میں تھکی ہاری لڑکیاں بہادری اور ہمت کے ساتھ لوگوں کے ازدحام سے نمٹ رہی تھیں جو مختلف وضاحتیں اور ہدایات حاصل کرنے یا شکایتوں اور درخواستوں کے سلسلے میں وہاں آئے تھے۔ اگر آپ ایک بار اس ہجوم میں گھر جائیں تو آپ احکامات اور ہدایتیں وصول کرنے والے کئی پُر جوش سرخ چہرے اور پھیلائے ہوئے ہاتھ دیکھ سکیں گے۔ موقع پر ہی ہدایات اور اپائنٹمنٹ دیے جاتے تھے۔ وہیں کھڑے کھڑے اشد ضروری ہدایات ٹائپسٹوں کو لکھائی جاتی تھیں۔ جن کی مشینوں کی کھٹ کھٹ ایک لمحہ کو بھی نہ رکتی تھی۔ وہیں ان پر پنسل یا کسی بابو کے قلم سے دستخط ہوتے تھے اور چند لمحوں میں کوئی کام کرنے کا بے حد آرزومند نوجوان کامریڈ کار موٹر کو گردن توڑ رفتار سے چلاتے ہوئے اندھیری رات میں غائب ہو جاتا۔ عقبی کمرے سے کئی کامریڈ میز کے اردگرد بیٹھے ہوئے متواتر چاروں جانب روس کے سرکش شہروں کو احکامات کے ٹیلی گرام روانہ کرتے جا رہے تھے۔... مندوب فتح اور مسرت کے موڈ میں تھے۔ وہاں خوف کا شائبہ تک نہ تھا۔ حال آں کہ سرمامحل کے چاروں طرف جنگ جاری تھی۔ اور وقفے وقفے سے ہلا ڈالنے والی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ جب میں کہتا ہوں کہ وہاں خوف و ہراس نہیں تھا تو میں بالشویکوں کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور کانگریس کی فیصلہ کن اکثریت کی بات کر رہا ہوں جو وہاں موجود تھی۔... جب بہت دیر سے انتظار ہونے والی یہ خبر پہنچی کی سرمامحل پر بالآخر سوویتوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور سرمایہ دار وزیروں کو گرفتار کر لیا گیا تو نہ ختم ہونے والی تالیوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔... مجھے میری یادداشتوں کی ناکافی سطروں میں اس بات کا اضافہ کرنے دیجیے کہ عوامی کیساروں (وزیروں) کی پہلی کونسل (کابینہ) کس طرح وجود میں آئی۔ یہ سمولنی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں تشکیل دی گئی... ہم اس وقت از سرِ نو پیدا کردہ روس کے لیڈر منتخب کر رہے تھے۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے یہ انتخاب بے ڈھنگا سا ہے۔ اور مجھے ڈر تھا کہ جن لوگوں کو ہم نے منتخب کیا وہ مختلف امور میں تربیت یافتہ نہ تھے۔ وہ اتنے گھمبیر مسائل کو حل نہ کر سکیں گے۔ لینن نے برہمی مگر ساتھ ساتھ مسکراتے ہوئے مجھے ایک طرف آنے کا اشارہ کیا۔ ''یہ انتظام وقتی ہے۔... اگر یہ لوگ نامناسب لگے تو ہم بعد میں انہیں بدل دیں گے۔'' لینن حیران کن ذہنی سکون کے ساتھ مسائل کا مطالعہ کرتے اور انہیں اس طرح سنبھالتے جس طرح ایک تجربہ

کا رپائلٹ ایک دیوہیکل مسافر جہاز کو چلاتا ہے۔'' ص ۲۴

ترقی پسندادیبوں کی یہ خواہش رہی کہ دنیا میں طبقاتی فرق کی بجائے انسانی برابری اور مساوات کا کلچر ہو۔مترجم نے ترقی پسند ادب کے حوالے سے اُردو میں ایک رجحان ساز تصنیف کا اضافہ کیا۔(۲۳)

جلیس کی کہانیاں:

پروفیسر ڈاکٹر امتیاز حسین بلوچ بن غلام سرور خان چانڈیہ ۱۸۔اپریل ۱۹۶۲ء کو بستی نصرت والا، کوٹ ادو ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ سبجیکٹ سپیشلٹ اُردو کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ بعدازاں لیکچرر اُردو بننے کو ترجیح دی۔اُردو میں پی ایچ ڈی کی۔ان کے تصنیفات میں: ابراہیم جلیس شخصیت اور فن (مقالہ پی ایچ ڈی)۔ابراہیم جلیس کی افسانہ نگاری (مقالہ ایم فل)۔پودے (مرتب، اردو کا پہلا رپورتاژ نوشتہ از کرشن چندر)۔حاصل مطالعہ۔شہر (رپورتاژ)۔گرم لہو کی دھمال'' شامل ہیں۔

''جلیس کی کہانیاں'' پروفیسر ڈاکٹر امتیاز بلوچ اور ان کے برادر اشرف بلوچ کی مشترکہ مرتبہ کاوش ہے جس میں: ناول نگار، افسانہ نگار، رپورتاژ نگار اور صحافی ابراہیم جلیس (پ:۱۲۔اگست ۱۹۲۴ء، بنگلور۔ ف:۲۶۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء، کراچی) کے ۱۵ اُردو افسانوں کو تلاش و مرتب کر کے ۲۴۰ صفحاتی افسانوی مجموعہ کی صورت شائع کیا۔ آغازِ تصنیف میں مرتبین کا دو صفحاتی دیباچہ بہ عنوان: ''محبتوں کا قرض'' جب کہ پس ورق فلیپ ،نوشتہ از پروفیسر ڈاکٹر انوار احمد چیئر مین شعبہ اُردو بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی ملتان، پیش کردہ ہیں۔قبل از پاکستان و مابعد کے نوشتہ و مرتبہ افسانوں میں: ''زرد چہرے۔چالیس کروڑ بھکاری۔رشتہ۔دودھ میں مکھی۔چور۔فاصلہ۔سگِ لیلیٰ۔منزل ہے کہاں تیری۔رقیب۔ سزا۔ تنخواہ کا دن۔قیدی۔بنگلہ دیش۔دکھاوا۔رنگ'' شامل ہیں۔پس ورق پر ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں کہ:

> ''حیدرآباد دکن نے ترقی پسند ادبی تحریک کو تین بڑے تخلیق کار دیے: مخدوم محی الدین۔خواجہ معین الدین اور ابراہیم جلیس۔۔۔۔شعبہ اُردو زکریا یونی ورسٹی ملتان سے فارغ التحصیل ہونے والے ہونہار طالب علم اُردو ادبیات کے استاد۔۔۔دنیائے تحقیق میں پہلے سے متعارف امتیاز بلوچ اور ان کے بھائی اشرف بلوچ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ابراہیم جلیس کی کہانیوں کو منتخب کیا ہے جو اُردو افسانے کی تاریخ کے ایک باب کا درجہ رکھتی ہیں۔''

جلیس کے افسانوں میں ترقی پسندانہ غالب سوچ کے ساتھ ہندوستان میں فرنگی سامراجی دور کا عکسِ جبر و تکبر نیز ہندوستانی تمدن کے کئی سیاہ پہلو ملتے ہیں۔مجموعہ کے کئی افسانوں میں عبارات، معیارِ اخلاق سے فروتر ملتی ہیں۔تاہم امتیاز بلوچ اور اشرف بلوچ نے ان منتشر توشئہ ماضی بنے افسانوں کو، حیات نو دے کر اردوئی افسانوی

اثاثہ میں بہ قدر ایک مجموعہ اضافہ کیا۔(۲۴)

آپا صفیہ کا تیسرا آنسو:

شعبہ سرائیکی، بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی ملتان سے منسلک پروفیسر نسیم اختر نسیم مستوئی نے حنیف چوہدری ایم فل، کے ۳۴ اردوئی افسانوں کو مختلف رسائل سے تلاش وترتیب دے کر ۲۸۸ صفحاتی افسانوی مجموعہ: ''آپا صفیہ کا تیسرا آنسو'' کی صورت شائع کیا۔ عبداللطیف حنیف چوہدری (پ ۱۰۔اکتوبر ۱۹۲۹ء) خورشید پور پنڈی، تحصیل نکودر، جالندھر کے سکونتی تھے۔ تقسیم برصغیر کے بعد ملتان میں رہائش پذیر ہوئے۔ افسانہ نگاری، ناول نگاری، سفر نامہ نگاری، تحقیق وصحافت سے وابستہ رہے۔ اب شعبہ سرائیکی، بہاؤالدین زکریا یونی ورسٹی ملتان میں ریسرچ ایسوسی ایٹ ہیں۔ تصنیف کے آغاز میں پروفیسر نسیم اختر نسیم نے مصنف کا ۱۸ صفحاتی انٹرویو بہ عنوان: ''ہجرت کا ایک منجمد لمحہ''؛ ۱۲ صفحاتی مقدمہ: ''سادھو سادھو حنیف چوہدری'' نیز ایک صفحاتی ''اظہار تشکر'' شامل کیا۔ آپا صفیہ (حشمت بی بی)، چوہدری حنیف کی ہمشیرہ تھیں جس نے شوہر کے مظالم سے تنگ آ کر اپنے بھائی کو ایک خط ''میں کیا کروں؟'' لکھا۔ پھر کچھ عرصہ بعد خودکشی کر لی۔ اسی خط کے تناظر میں افسانوی مجموعے کا عنوان رکھا گیا جس میں: ''تصور۔ شام غم۔ میں کیا کروں؟۔ بھیّا۔ پہاڑ روتے ہیں۔ غم زدہ بیگم۔ پھول کی پنکھڑی۔ بہاروں کی آگ۔ سلگتے ساحل۔ آنسوؤں کے چراغ۔ ایک پھول دو آنسو۔ پتھر کی مورتی۔ سپنے اور گیت۔ کانچ کی گڑیا'' جیسے افسانے شامل ہیں۔

مقدمہ میں مرتب، افسانوں کی تلاش وترتیب کے بابت لکھتی ہیں کہ:

> ''آپا صفیہ کا تیسرا آنسو'' باؤجی [حنیف چوہدری] کے ان افسانوں کا مجموعہ ہے جو مختلف رسالوں میں مئی ۱۹۵۵ء سے اپریل ۱۹۶۴ء تک لکھے گئے۔ ان افسانوں کو یک جا کرنے میں باؤجی نے بہت تعاون کیا۔ خاص طور پر یہ کہ جن رسالوں میں افسانے چھپتے رہے انہیں ان کے نام یاد تھے اور کچھ ان کے پاس تھے۔ اور کچھ ''سومرو لائبریری'' سے ملے۔۔۔۔ باؤجی کی کہانیوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کہیں تو انہوں نے زندگی کی تلخ حقیقتوں کی کڑواہٹ کو کہانی کے خوب صورت جار میں ڈال کر پیش کیا تو کہیں آنکھوں دیکھی سُندرتا کو افسانے کا پیرایہ دیا۔ اور خوب صورت خواہشوں کی رنگین مالاؤں کو اپنی کہانیوں کے کریکٹر کے گلے میں ڈال کر طمانیت محسوس کی۔ بھوک وافلاس کو زندگی کا مسئلہ نہیں بنایا بل کہ زندگی کا حصہ سمجھتے ہوئے اسے احساسات کے رنگین دھاگوں سے بُن کر قاری کے مطالعے کی تشفی کی ہے۔'' ص: ۲۸، ۳۷

تصنیف میں مشمولہ افسانوں کا فکری میدان اگرچہ رومانی ہے مگر حسن بیان متاثر کن ہے۔ کچھ معیار سے

فروتر افسانے بھی شامل تصنیف ہیں۔تاہم مرتب نے مختلف رسائل اور تہہ گرد گم گشتہ افسانوں کو تلاش و ترتیب سے حیات نو دے کر اردو کی توشہ دان میں بہ قدر ایک اردو افسانوی مجموعہ اضافہ کیا۔(۲۵)

حواشی/حوالے

1. Internet: www.google.com, "A short History of Short Story". Search.
2. Internet: www.google.com, "The short Story". Search.
3. Internet: www.google.com, "Short Story Wikipedia the free encyclopedia". Search.
4. Internet: www.google.com, Category: Urdu Short Story writers-Wikipedia the free encyclo pedia". Search.

۵۔ انواراحمد زئی، پروفیسر(۲۰۰۶ء؟)دل دریچے، حیدرآباد، ادارہ انوارِادب، ۳۷۱، سی/ون یونٹ ۸، لطیف آباد۔

۶۔ رفیعہ سرفراز[احمدانی](مئی ۱۹۹۵ء)پت جھڑ کے خواب، بہاول پور، العرفان، ۴۔بی بلاک ایکس، سٹیلائٹ ٹاؤن۔

۷۔ طارق بلوچ صحرائی(فروری ۲۰۰۳ء)بے یقینی کا سناٹا، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، رانا چیمبرز، سیکنڈ فلور(چوک پرانی انارکلی)لیک روڈ۔

۸۔ طار ق بلوچ صحرائی(جولائی ۱۹۹۹ء)دُھند کا سویرا، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، رانا چیمبرز، سیکنڈ فلور، چوک پرانی انارکلی، لیک روڈ۔

۹۔ طارق بلوچ صحرائی(جولائی ۲۰۰۹ء)لاحاصل محبتوں کا ظرف، لاہور، الحمد پبلی، رانا چیمبرز، سیکنڈ فلور، چوک پرانی انارکلی، لیک روڈ۔

۱۰۔ عبدالرحمٰن غور(۱۳ فروری ۱۹۵۵ء)ناقابل فراموش ہستیاں، کوئٹہ، ادارہ ادب بلوچستان۔

۱۱۔ محمد شفیع بلوچ(۲۰۰۹ء)ٹھہرو، فیصل آباد، مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پورہ بازار۔

۱۲۔ مسرت لغاری(اگست ۲۰۰۳ء)ایک اکیلی، راولپنڈی، لاریب پبلشرز، ڈی۔۳۴۲، لین ۴، پشاور روڈ۔

۱۳۔ مسرت لغاری(۱۹۸۷ء)گھر ہونے تک، لاہور، اساطیر، ۴۔میکلوڈ روڈ۔

۱۴۔ مسرت لغاری(۱۹۹۳ء)نصیب کی صلیب، راولپنڈی، لاریب پبلشرز، ڈی۔۳۴۲، لین ۴، پشاور روڈ۔

۱۵۔ نوراحمد خان فریدی، مولانا(۱۹۵۲ء)اسلامی افسانے، جلد اول، ملتان، قصرالادب، جگو والہ لودھراں۔

۱۶۔ نوراحمد خان فریدی، مولانا(۱۹۷۵ء)اسلامی افسانے، جلد دوم، طبع پنجم، ملتان، قصرالادب، رائیٹرز کالونی، معصوم شاہ روڈ۔

۱۷۔ یاسمین ہما گورمانی(دسمبر ۲۰۰۰ء)جیون روپ، لاہور، آگہی پبلی کیشنز، ۳۱۔چیمبرلین روڈ، چوک گوالمنڈی۔

۱۸۔ عذرا حفیظ الرحمٰن [بزدار] (۱۹۹۷ء) میرے ابو شہر سے آئے، لاہور، فکشن ہاؤس ۱۸۔ مزنگ روڈ۔
۱۹۔ عزیز محمد بگٹی، پروفیسر (جنوری ۱۹۸۱ء) نوذورغام، کوئٹہ، قلات پبلشرز، رستم جی لین، جناح روڈ۔
۲۰۔ غلام حسن حیدرانی رگل محمد، مہر [مرتب] (اپریل ۱۹۹۴ء) غلام حسن حیدرانی دے افسانے، ملتان، مجلس ایوان تعلیم، مہر لاج سادات کالونی۔
۲۱۔ افضل مراد (۲۰۰۵ء) انجیر کے پھول، کراچی، شہزاد، بی۔۱۵۵، بلاک ۵ گلشن اقبال، کراچی۔
۲۲۔ گوہر ملک ر پروفیسر ڈاکٹر شاہ محمد مری [مترجم] (۲۹ فروری ۲۰۰۶ء) بلوچ نے مجھے دھکا دیا، کوئٹہ، سنگت اکیڈمی آف سائنسز، مری لیب فاطمہ جناح روڈ۔
۲۳۔ شاہ محمد مری، ڈاکٹر [مترجم] (۲۰۰۵ء) منتخب سوویت افسانے، کوئٹہ، سنگت اکیڈمی آف سائنسز، مری لیب، فاطمہ جناح روڈ۔
۲۴۔ امتیاز بلوچ [پروفیسر ڈاکٹر]، اشرف بلوچ (اپریل ۱۹۹۴ء) جلیبس کی کہانیاں، ملتان، بخاری پبلشرز، گول باغ گُل گشت کالونی۔
۲۵۔ نسیم اختر نسیم [مستوئی]، پروفیسر (دسمبر ۲۰۱۰ء) آپا صفیہ کا تیسرا آنسو، ملتان کینٹ، کتاب نگر حسن آرکیڈ۔